ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائل

(۸)

(از جناب مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب واصف دہلی)

الحاق

مسیحا تم بنو نغروں میں ہو تا ثیر قُم پیدا
نئے سر سے ہوں پھر اسلام کے آثار گم پیدا
جہادِ نفس کرنے کو ہوتے دنیا میں تم پیدا
کر و معنیٔ نصِ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ پیدا

محبت مال سے رکھو گے اے پیر و جواں کب تک

سوال ایک اور سائل کا ہے سب سے وہ حالو سنے
ہیں جتنے مست جام عیش کے رنگیں خیالوں سے
وطن کے نوجوانوں سے چمن کے نونہالوں سے
اشارہ صاف ہے یہ قومی قرضہ دینے والوں سے

رکھو گے جیب میں چاندی کے گنتوں کو نہاں کب تک [۱]

ذریعۂ اصلاح اور ادبی مسلک | فرماتے تھے استاد کو لازم ہے کہ شاگرد کی قابلیت اور صلاحیت و رجحانِ طبع کے مطابق اصلاح دے نیز یہ کہ جہاں تک ہو سکے شاگرد کے کلام میں کم سے کم تنسیخ کرے

راقم الحروف نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھے داغ کی روش سے اختلاف ہے۔ نیز یہ کہ زبان اور لغات و محاورات اور قوافی وغیرہ کے متعلق انھوں نے جو قیود عائد کی ہیں ان کی اگر پابندی کی جائے تو اردو ادب کا دائرہ بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ "بیشک استاد داغ کی مقرر کی ہوئی حدود کا میں بھی پابند نہیں ہوں"

استاد داغ نے لفظ "اور" کو بروزن "جب" ناجائز قرار دیا ہے اور بروزن "فور" جائز رکھا ہے۔ سائل نے دونوں طرح استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ان کی مشہور غزل کا مطلع ہے:-

---

[۱] سلک مروارید ص۱۳

ملے غیروں سے مجھ سے رنج، غم یوں بھی ہے اور یوں بھی
وفا دشمن جفا جو کا ستم یوں بھی ہے اور یوں بھی (سائل دہلوی)

شروع سے آخر تک غزل کی ردیف میں لفظ "اور" ایک سبب خفیف کی صورت میں استعمال ہوا ہے، داغ نے لفظ "میں" (ضمیر متکلم) کو یا اظہار یا دنون غنہ ایک سبب خفیف قرار دیا ہے۔ اور صرف میم متحرک باسقاط یا دنون کو جائز رکھا ہے مگر سائل نے دونوں طریقوں سے جائز رکھا ہے

مرے نامۂ شوق کی سطر میں ہے جگہ اک جو سادہ وہ مہمل نہیں ہے
میں ہو جاؤں خدمت میں حاضر کبھی خود بتا نے کو اسکے معانی کہو تو (سائل دہلوی)

نظام دکن میر عثمان علی خاں ۱۹۲۶ء میں جب دہلی تشریف لائے تھے تو ادبی دنیا میں بڑی دھوم دھام ہوئی تھی۔ شعراء نے قصیدے اور تہنیت نامے لکھے۔ راقم الحروف نے بھی ایک مسدس لکھا تھا جس اخبار میں وہ شائع ہوا تھا وہ اخبار لے کر استاد مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی اخبار میں ہندوستان کے ایک مشہور شاعر کا مسدس بھی تھا اس کا ایک ہی مصرع اس وقت مجھے یاد ہے۔ شاعر نے دہلی کو خطاب کر کے کہا ہے ؎ سر اٹھا تیری انگوٹھی کا نگینہ مل گیا

استاد مرحوم نے میری طرف اخبار بڑھا کر فرمایا کہ بتاؤ اس شعر میں کیا سقم ہے میں نے کچھ تامل کیا مگر سمجھ میں نہ آیا فرمایا "تاج دولت بر سرت" والا قصہ یاد ہے؟ تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ "سر اٹھانے" کے معنی "بغاوت" کے بھی ہیں۔ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا کہ چونکہ اس لفظ میں دوسرے معنی کا ایہام بھی ہوتا ہے جو آداب شاہی کے خلاف ہیں اس لئے شاعر کو اس لفظ سے احتراز چاہئے تھا۔

بالعموم شاگردوں کو اور خاصکر مجھے اصلاح دینے کا طریقہ یہ تھا کہ شاگرد دیر ہی غور کرنے اور اپنی اصلاح آپ کرنے کی ذمہ داری ڈالتے تھے۔ فرماتے تھے کہ تم خود غور و فکر کی عادت ڈالو میں نے اگر تمہاری غلطی کو بغیر تمہارے سمجھے ہوئے درست کر دیا تو تمہیں کیا فائدہ پہنچا۔

کبھی شاگرد کے رجحان طبع کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر محض فنی اور لسانی

اغلاط کو درست کیا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں ہندستان کے چند ادبی رسائل میں جن میں رسالہ "شاعر" آگرہ پیش پیش تھا ایک ادبی بحث لفظ شروعات کے متعلق چھڑی۔ ایک صاحب نے اپنے کلام میں لفظ شروعات کو استعمال کیا اس پر رسالہ "شاعر" نے اعتراض کیا۔ یہ بحث کافی دلچسپ تھی دورانِ بحث میں کچھ تلخ طرز تحریر بھی اختیار کر لیا گیا تھا اور یہ چیز ادبی اور علمی ذوق کے لئے نامناسب تھی "شروعات" لفظ شروع کی جمع بنالی گئی ہے گو عربی میں اس طریقے سے مستعمل نہ ہو مگر ایسے بے انتہا الفاظ ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے کچھ اور صورت رکھتے ہیں اور ہماری زبان میں آکر کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں اور فصحائے ان کو اپنی ادبی تحریروں اور تقریروں میں جگہ دی ہے۔ مثلاً لفظ متلاشی (ذوق نے بھی استعمال کیا ہے) ترکی لفظ تلاش سے عربی باب تفاعل کا اسم فاعل بنایا ہے نزاکت فارسی لفظ نازک سے عربی قاعدے سے تائے مصدری بڑھا کر مصدر بنایا ہے۔ رہائش یعنی سکونت اردو لفظ رہن یا رہنا سے بقاعدہ فارسی شین مصدری بڑھا کر مصدر بنایا ہے اس قسم کے الفاظ کے متعلق کہا جائے گا کہ ہماری زبان میں آکر کچھ تصرف کے بعد ٹھیٹھ ہو گئے ہیں۔ لفظ شروع عربی ہے اور اردو میں اصل معنیٰ میں ہی استعمال ہوتا ہے اس کی جمع بھی عربی کے قاعدہ سے ہے گو عربی میں یہ جمع مستعمل نہ ہو مگر ہماری زبان کا تصرف اس کو ٹھیٹھ کر کے استعمال کرے تو اس کو رائج کرنا ادب کی وسعت کی دلیل ہے۔ جب متلاشی جیسے بے شمار الفاظ ہماری زبان میں جگہ پا سکتے ہیں تو شروعات کے جگہ نہ پانے پر تعجب ہے اس کے متعلق استاد مرحوم سے بھی استفسار کیا گیا تھا۔ انھوں نے اس لفظ کو جائز قرار دیا۔

حضرت نوح ناروی فرماتے ہیں کہ ابتداء میں اس لفظ کو میں نے تسلیم نہیں کیا مگر جب مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی دہلوی (استاد حضرت سائل دہلوی) کے کلام میں دیکھا تو مجھے اپنی رائے بدلنی پڑی اور ماننا پڑا کہ اس کو ہماری زبان میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ اس اثنا میں ایک صاحب نے علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب سے بھی استفسار کیا تھا وہ بجنسہ مع جواب کے درج ذیل کرتا ہوں۔

مخدومی و محترمی سلام مسنون۔ علمی حلقوں میں چند ماہ سے لفظ شروعات کے متعلق بحث

جاری ہے۔ ایک طبقے کے چند افراد کہتے ہیں کہ یہ لفظ فصیح اور صحیح ہے۔ دوسرا طبقہ جس کے مؤیدین زیادہ ہیں اس لفظ کو غلط، غیر فصیح اور عوام کی زبان کا بتاتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ نیاز فتحپوری۔ مولوی عبدالمالک آروی۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی۔ علامہ شادان بلگرامی۔ جناب سیماب اکبرآبادی۔ حضرت آرزو لکھنوی۔ حضرت صفی لکھنوی۔ حضرت ثاقب لکھنوی۔ مولانا حسرت موہانی۔ حضرت بیخود دہلوی۔ حضرت دل شاہجہانپوری۔ حضرت وحشت کلکتوی۔ نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل دکن۔ حضرت شفق عمادپوری۔ نوح ناروی۔ آسی لکھنوی۔ حضرت ناطق گلاوٹھی۔ حضرت جوش ملیح آبادی۔ جیسے مستند اساتذہ اور ادباء نے بھی شروعات کو شروع کی بے قاعدہ جمع غیر فصیح اور عوام کی زبان کا لفظ قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ محتاط ادبا شعراء اور ثقات اسے استعمال نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں دوسری جماعت نے چند عامی ادباء اور شعراء کی رائیں پیش کر کے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ شروعات ہر طرح قابل استعمال اور فصیح ہے میں چاہتا ہوں کہ شروعات کے متعلق ہندوستان کے تمام مشاہیر مستند اور ثقات شعرا ادباء علماء اور فضلا سے رائیں حاصل کروں تاکہ اردو زبان کا پایہ نہ گرنے پائے اور ناعاقبت اندیش غلط رو حضرات یسی حرکات سے باز رہیں۔ اسی لئے آپ کو بھی تکلیف دے رہا ہوں ازراہِ کرم اپنی اولین فرصت یں اس لفظ کے جواز و عدم جواز کے متعلق اپنی رائے سے مطلع فرمایئے اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر رمایئے کہ آپ نے کبھی اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے یا نہیں یہ لفظ غلط العام فصیح میں ہے یا لط العوام قبیح میں۔ آپ کے جواب کا بے چینی سے منتظر ہوں۔ ۲۰ر اگست ۱۹۴۳ء

نیاز مند خاک رسید دل محمد شاہ منشی فاضل مولوی فاضل صدر السنہ مشرقیہ گورنمنٹ ہائی اسکول رخصتی مقام لاہڈرہ ڈاکخانہ بہرام۔ سررشتہ جالندھر

جواب از حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی

لفظ شروع عربی لفظ ہے اور مصدر ہے۔ اس میں الف تا بڑھا کر شروعات جمع کا صیغہ الیا گیا ہے مصدر سے اگر مصدری معنی مراد لئے جائیں تو اس کی جمع بنانا خلاف اصل ہے کیونکہ

المصدر لا یثنی ولا یجمع "مسلمہ قاعدہ ہے لیکن جب کہ لفظ مصدر سے مصدری معنی مراد نہ ہوں بلکہ حاصل بالمصدر کے معنی مراد ہوں یا مصدر سے اسم مفعول کے معنی مراد ہوں یا مصدر کے انواع بتانے مقصود ہوں تو مصدر کی جمع بنائی جاتی ہے جیسے رکعتہ۔ رکعات۔ سجدہ۔ سجدات قول۔ اقوال۔ طہارۃ۔ طہارات۔ اجارۃ۔ اجارات۔ امانۃ۔ امانات۔ دیانۃ۔ دیانات وغیرہ۔ شروع کے مصدری معنی آغاز کردن ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے جمع بنانا تو خلاف اصل ہے لیکن حاصل بالمصدر یعنی آغاز وابتدا کے معنی لے کر جمع بنائی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ فعول کی جمع الف تا کے ساتھ فعولات آتی بھی ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعول کے وہ مصادر جو ذوات التاء ہیں ان کی جمع تو الف تا کے ساتھ مطرد ہے۔ جیسے نبوۃ۔ نبوات۔ خصومۃ۔ خصومات حکومۃ حکومات۔ وسومۃ وسومات اور جو مصدر غیر ذوات التاء ہیں۔ جیسے شروع رکوع سجود نزول ہبوط صعود سکون قعود جلوس وجود ان کی جمع فعولات پر اگرچہ مطرد نہیں لیکن ان میں سے بعض مصادر کی جمع فعولات پر بنائی اور استعمال کی گئی ہے (یہ یاد رہے کہ یہ جمع مصدری معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اسم مصدر یا حاصل بالمصدر کے معنی کے لحاظ سے ہے مگر لفظ مصدر کی جمع ہے) اسی طرح شروع کو حاصل بالمصدر کے معنی (آغاز) میں لے کر اس کی جمع شروعات بمعنی آغاز یا ابتدا بن سکتی ہے۔ اگر یہ خیال ہو کہ شروعات کو شروع کی جمع قرار دینا اس وقت ممکن تھا کہ اس کو جمع کے معنی میں استعمال کیا جاتا لیکن اس کو صحیح سمجھنے اور استعمال کرنے والے مفرد کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جیسے "قبا جسم کی تنگ سے تر ہوئی۔ حیا کی یہاں سے شروعات ہے سائل دہلوی" تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کے صحیح ہونے کے بعد یہ خیال لائق اعتنا نہیں ہے۔ کیونکہ عربی جمع کے متعدد الفاظ اردو میں مفرد کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے لفظ اصول۔ اخبار۔ احوال۔ واہیات۔ خرافات۔ اسباب وغیرہ ان تمام باتوں کے باوجود اکثر اد شروعات کا لفظ استعمال نہیں کرتے اس لیے میں بھی اس کے استعمال کو پسندیدگی کی نظر سے تو نہیں دیکھتا۔ مگر استعمال کرنے والوں کو بھی مستحق طعن و تشنیع نہیں سمجھتا۔ والسلام

تصانیف | جہاں تک مجھے معلوم ہے استاد مرحوم کے چار دیوان مکمل ہیں اور ایک مثنوی نامکمل ہے۔ مگر یہ سارا ذخیرہ غیر مطبوعہ ہے۔ اور اب تک ان کا کوئی دیوان شائع نہیں ہوا۔

ایک چھوٹا سا سہروں کا مجموعہ سائلؔ مرحوم نے ۱۳۴۶ھ م ۱۹۲۸ء میں چھپوایا تھا جس میں خود ان کے بھی متعدد سہرے ہیں اور کچھ تاباںؔ صاحب کے اور کچھ دیگر حضرات کے سہرے ہیں اور ایک بارہ غزلوں کا چھوٹا سا رسالہ راقم الحروف نے ۱۹۴۲ء میں "پارہ کجکول" کے نام سے شائع کیا تھا یہ نام خود مرحوم نے ہی تجویز فرمایا تھا اور اس کی ابتداء میں بعنوان "عرض سائلؔ" مندرجہ ذیل عبارت لکھوائی تھی: غور فرمائیے عبارت کیا ہے موتیوں کی مالا ہے۔

"حقیقت اس پیشکش حقیر موسوم بہ "پارۂ کجکول" کی یہ ہے کہ میرے وطنی اور بیرونجات کے احباب کے تقاضوں نے مجھے ایسی حالت میں اپنا کلام طبع کرانے کے لئے تنگ کر دیا کہ میں آنکھوں میں پانی آنے کی وجہ سے نہ خود لکھ سکتا ہوں نہ پڑھ سکتا ہوں۔ علاوہ ازیں کاغذ کی گرانی اور کمیابی نے سخت تر مجبور کر دیا۔ جس عزیز سے اس بارہ میں مشورہ کیا، نہ اس نے میری معذوری پر نظر ڈالی نہ میری کم مائیگی پر۔ یہی کہا کہ جس طرح ممکن ہو اپنی زندگی میں ہی طبع کرا دیں میں اپنے معاصرین میں درجہ امتیاز نہیں رکھتا کہ پاس ہوس ناموری کرتے ہوئے ان کے ارشاد پر فوری کاربند ہو جاؤں۔ میرے ذوق ادب نے میرے اس شغل کو جاری رکھا جس سے جلب منفعت یا ہوائے شہرت کا کچھ تعلق نہیں میرا کلام ایسے محاسن سے معری ہے جو شاعری میں ہونے چاہئیں اپنے شوق کو میں نے اپنے وطن اور مادری زبان تک محدود رکھا ہے میرے کلام میں وہ خوبیاں نہیں جو میرے ہم عصروں کو خدا نے عطا فرمائی ہیں نہ میں نے ان کی تحصیل میں جد وجہد کی نہ فصیح و بلیغ ہونے کا مجھے دعویٰ! دلی کی بولی بولتا ہوں اور بس!

جن حضرات نے میری زبان پر نکتہ چینی کی ان کی صورت دیکھ کر میں نے صبر کیا۔ جن اصحاب نے مجھے اس حیثیت سے بلند پایہ سمجھا اخلاقاً ان کا شکریہ ادا کیا اور دل میں شرمسار رہا۔ کبھی ذہن میرا اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ میرا شمار زمرۂ اہل کمال میں ہے جو حضرات میری اس التماس کو میرا انکسار سمجھیں گے وہ مجھے جھوٹا سمجھیں گے میری اس

گذارش کو جذبۂ فردتنی سے کوئی تعلق نہیں یہ حقیقت تھی جو میں نے عرض کر دی اور صاحبزادہ مولوی حفیظ الرحمان

جو مفتی اعظم ہند کے جگر گوشہ اور میرے عزیز ترین رفقا میں سے ہیں اس معاملہ کو ان کے سپرد کر دیا۔

ابو المعظم سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلوی۔ اپریل ۱۹۴۲ء

تلامذہ | استاد مرحوم کے شاگرد بے شمار ہیں۔ مگر افسوس کہ میری معلومات محدود ہیں مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں اپنے تمام بھائیوں سے واقف نہیں ہوں جو حضرات مجھے معلوم ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ مولانا مولوی قیام الدین صاحب نادرؔ شاہجہاں پوری۔
۲۔ جناب عبد الخالق صاحب نہالؔ سیوہاردی۔
۳۔ مولانا مولوی محمد حسن صاحب اخترؔ دہلوی۔
۴۔ جناب سبط حسن صاحب غافلؔ امروہوی۔
۵۔ جناب محشرؔ امروہوی
۶۔ جناب شاکرؔ دہلوی۔
۷۔ جناب شیخ محمد اسحٰق صاحب نادرؔ دہلوی۔
۸۔ مولانا مولوی سعید الدین صاحب وفاؔ دہلوی۔
۹۔ جناب حافظؔ دہلوی۔
۱۰۔ جناب عبد الستار صاحب نعیمؔ دہلوی۔
۱۱۔ جناب حافظ عبد الغفار صاحب مفتونؔ دہلوی۔
۱۲۔ احقر واصفؔ دہلوی۔

(شیخ محمد اسحٰق صاحب نادرؔ دہلوی یہ وہ صاحب ہیں جن کے نانا مولوی قاسم علی صاحب مرحوم جناب سائلؔ مرحوم کے اتالیق اور استاد تھے۔)

(باقی آئندہ)